غالبؔ کی تقریظ نگاری

کلیم اختر

Kaleem Akhtar

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

محمد اکرام الحق

Muhammad Ikram-ul- Haq

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University,Lahore

Abstract:

Takreez is an Arabic word which has been derived from the word Ukaz. In the era of darkness a fair was held in Ukaz where renwoned poets recited there poems. The best recited piece of peom was eulogized admirably by the president of this competition. His remarks were termed as "Takreez". The tradition of Takreez came in Urdu literture from Arabic language and literature. Writing of Takreez was practiced commonly in classical age of Urdu litrature. Takreez was written on books by well renowned men of knowledge in art and literature. Mirza Ghalib requested to write Takreez by various literary personalities and he also wrote it for a few books. The Quality of Mirza Ghalib is that he kept his individuality in Takreez writing. In appreciation Ghalib was not convinced of flattery.

تقریظ عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی درج ذیل ہیں۔

مولوی فیروزالدین لکھتے ہیں:

’’تقریظ۔(تق۔ریظ)(ع۔ا۔مث) کتاب اور مصنف کی تعریف۔‘‘(۱)

لفظ’’تقریظ‘‘ عکاظ سے ماخوذ ہے۔عکاظ دراصل طائف اور نخلہ کے وسط میں موجود نخلستان کا نام ہے۔جس کا معانی ہے روکنا یا جمع ہونا ہے۔ یہاں عرب کے قبائل ہر سال ذوالقعدہ کی پہلی سے بیس تاریخ تک جمع ہوتے اور یہاں مفاخرہ کی

تقریب ہوتی۔قبائل کے افراد اپنے قبیلے سے متعلق اپنی خدمات کو سب کے سامنے بصورت اشعار پیش کرتے تھے۔ان اشعار میں قبیلے کے لیے اپنی کاوشوں کو فخریہ انداز میں بیان کیا جاتا تھا، جسے مفاخرہ کہا جاتا تھا۔''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' میں درج ہے:

> ''عکاظ، طائف اور نخلہ کے درمیان ایک نخلستان کا نام۔عرب ماہرین لسانیات اس نام کو مادہ (عکاظ یعکظا= حبس تحبس) بمعنی ''روکنا''، ''جمع ہونا'' یا اجتماعی کے معنوں سے مشتق کرتے ہیں۔یہ دونوں تعبیریں اس پر مبنی ہیں کہ عکاظ کی شہرت دراصل اس کے سالانہ میلے کی وجہ سے تھی جو ذوالقعدہ کی پہلی سے بیس تاریخ تک منایا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ 'مفاخرہ' کی باضابطہ تقریب ہوتی تھی۔''(۲)

زمانہ جاہلیت میں یہ میلہ انعقاد پذیر ہوتا تھا۔اہل عرب ہر سال یہاں جمع ہوتے۔ایک بازار سجایا جاتا۔عرب کے دیگر نامور اہل فن کی طرح شعرا بھی جمع ہوتے اور مفاخرہ کی تقریب میں حصہ لیتے۔میر مجلس جو شعر و زبان پر مہارت رکھتا تھا، کی موجودگی میں شعرا اپنے اپنے قصائد سامعین کی نذر کرتے تھے۔صدر مجلس اپنی فنی اور علمی مہارت کے ذریعے بہترین اشعار کی ستایش کرتا اور کلام کے محاسن پیش کرتا تھا۔اس تقریب کو''تقریظ'' کا نام دیا جاتا تھا۔یوں تقریظ عربی زبان وادب کے راستے اردو میں داخل ہوئی۔اردو کلاسیکل دور میں مروج رہی۔تقریظ دراصل کسی تخلیق کے محاسن قلم بند کرنے کا نام ہے۔ڈاکٹر محمد خاں اشرف لکھتے ہیں:

> ''تقریظ عربی شاعری کے متعلق زمانہ جاہلیت کی ایک مخصوص تقریب سے متعلق ہے۔اس دور میں شعرا بازار عکاظ میں جمع ہوتے تھے اور اپنا کلام سناتے تھے۔اس مقابلہ میں بہترین قصیدہ کا انتخاب ہوتا۔صدر مجلس شعر و شاعری اور زبان کا ماہر ہوتا تھا۔وہ بہترین قصیدہ کے فنی محاسن اور خوبیاں اجاگر کرتا تھا۔یہ تقریب تقریظ کہلاتی تھی۔اردو کے کلاسیکل دور میں تقریظ سے مراد کسی عالم کی ایسی تحریر تھی جو کسی کتاب یا دیوان سے متعلق اس کی خوبیوں اور تعریفوں سے پُر ہوتی تھی۔''(۳)

اردو ادب میں تقریظ نویسی کا رواج عربی وفارسی زبان وادب کی مرہون منت ہے۔اردو کے کلاسیکل دور میں تقریظ کا رواج رہا ہے۔جب تصنیف تکمیل کے مراحل طے کر لیتی تو نامور اہل علم وفن سے تقریظ لکھوائی جاتی تھی۔ایک تخلیق پر متعدد تقریظیں لکھوانے کا رواج بھی رہا ہے۔تقریظ کو کتاب کے آخر میں شامل کیا جاتا تھا۔تقریظ دراصل ستائش نویسی تھی۔دورِ حاضر میں تقریظ نویسی کی روایت دم توڑ چکی ہے اور تقریظ کی جگہ دیباچہ اور مقدمہ نگاری مروجہ ہیں۔بہت سے تنقید نگار تقریظ، دیباچہ اور مقدمہ کو معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کرتے ہیں۔

مرزا غالب کے زمانے میں تقریظ نویسی مروج تھی۔اس زمانے کی مدون کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ایسے تقریظ نویسوں کی کمی بھی نہیں تھی جن کی نگاہ کتاب کے مندرجات سے زیادہ صاحب کتاب کی قدوقامت پر پڑتی تھی۔

مرزا کی شخصیت کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ خود کو دوسروں سے جدا رکھا۔کچھ نہ کچھ ایسا سامان ضرور کیا کہ

وہ اپنے ہم عصروں سے الگ تھلگ رہے۔ شعر و ادب کی جانب متوجہ ہوئے تو تراکیب لفظی اور مضامین بندی و معانی آفرینی میں تنقید نگاروں کے لیے نئی راہ نکالی۔ مکتوب نگاری میں خطوط نویسی کے روایتی بندھن توڑ ڈالے اور مراسلے کو مکالمہ بنایا۔ تقریظ نگاری میں بھی مرزا نے دوسروں سے الگ جادہ پیمائی کی۔

غالب کی تقریظات جو ان کی کتب میں شامل ہیں، ان کی تفصیل یوں ہے:

عود ہندی میں تین درج ذیل تقریظیں شامل ہیں:

۱۔ تقریظ بر کتاب بہادر شاہ ثانی

۲۔ تقریظ بر گلزار سرور

۳۔ حاتم کی مثنوی کی تقریظ

درج بالا تقریظیں اردو زبان میں ہیں۔ ان کے علاوہ عود ہندی میں مختلف کتب پر پانچ دیباچے اور ایک پیش لفظ شامل ہے۔

ان کی کچھ تقریظیں ان کی فارسی تخلیق ''پنج آہنگ'' کے چوتھے آہنگ میں ہیں۔ اس حصے میں مختلف کتابوں پر پیش لفظ کے ساتھ ساتھ دیگر تحریریں اور مثنویاں بھی شامل ہیں۔ یہ تقاریظ فارسی زبان میں ہیں۔ ان کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ تقریظ تذکرہ: اردو تالیف نواب مصطفیٰ خان

۲۔ تقریظ دیوان خواجہ حافظ شیرازی

۳۔ تقریظ رسالہ مواردالکلم از منشآت

۴۔ تقریظ آثارالصنادید از سر سید احمد خاں

یہ تقاریظ فارسی زبان میں تحریر شدہ ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے دیباچے اور پیش لفظ بھی ''پنج آہنگ'' میں موجود ہیں۔ پنج آہنگ میں موجود فارسی خطوط کے تراجم پر زیادہ توجہ دی گئی ہے جب کہ مشمولہ نثری آہنگ مترجمین کی توجہ کی طالب ہے۔

غالب کا زمانہ کلاسیکیت کا عہد سمجھا جاتا ہے۔ اس عہد میں تقلید کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ کلاسیکی دور میں روایت کی سخت پابندی درکار ہوتی ہے اور روایت شکنی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ مرزا اندھا دھند تقلید کو ناپسند کرتے تھے۔ بلکہ وہ تقلید کی راہ پر چلتے ہی نہیں تھے۔ باوجودیکہ مرزا مقلدین کی سوسائٹی میں پروان چڑھے لیکن وہ اپنے فن میں روایتی بندشوں کو خاطر میں نہ لائے۔ اندھی تقلید ان کی فطرت میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوئی۔ خواجہ الطاف حسین حالی کے بقول:

> ''مرزا کی درا کی اور عالی فطرتی کی دلیل یہ ہے کہ وہ باوجود یہ کہ ایک ایسی سوسائٹی میں گھرے ہوئے تھے جس میں سلف کی تقلید سے ایک قدم تجاوز کرنا ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اپنے فن میں محققانہ چال چلتے تھے اور اندھا دھند اگلوں کی تقلید ہرگز نہ کرتے تھے۔''(۴)

کہا جاتا ہے کہ مرزا غالب اخیر عمر یعنی بڑھاپے میں اصلاح دینے سے گھبراتے تھے لیکن تقریظ نویسی انھیں اوّل عمر یعنی جوانی ہی سے پسند نہیں تھی۔ تقریظ کا مقصد محض صاحب کتاب کی خوشامد کرنا تھا۔ کلام اور مندرجات میں ایسی ایسی خوبیاں تلاش کی جاتی تھیں جو انصاف کے تقاضوں کے خلاف تھیں۔ وہ اپنے مزاج کے اسیر تھے کہ جس میں خوشامد کو دخل نہیں تھا۔ کوشش ہوتی کہ راست گوئی سے کنارہ کشی اختیار نہ کی جائے۔ جبکہ تقریظ اور دیباچہ نگاری کی روایت کا تقریباً ستائش اور مدح سرائی پر انحصار

ہے۔

غالب پر گردوپیش سے تقریظیں اور دیباچے لکھنے کے لیے کافی دباؤ رہتا تھا۔اس صورت حال سے نبرد آزمائی کے واسطے، اوّل اوّل وہ ٹال مٹول کا حربہ استعمال کرتے تھے۔حتی الوسع کوشش ہوتی کہ اس بھاری پتھر کو اٹھانا ہی نہ پڑے۔تقاضا کرنے والوں کو ٹالنے کی کوشش کرتے تھے۔خواہش ہوتی کہ تقریظ لکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔تفتہ سے مرزا کا تعلق کسی تعارف کا محتاج نہیں۔مرزا ان کی نہایت خاطر داری کرتے اور بہت عزیز رکھتے تھے۔ان کی فرمائش کو کبھی پس پشت نہیں ڈالا۔انھوں نے اپنے دیوان کی تکمیل کی اور اسے چھپوانا چاہا۔تفتہ نے غالب سے تقریظ لکھنے کی سفارش کی۔غالب کو بہت دقت پیش آئی کہ کیسے اس تقاضے سے محفوظ رہیں۔تفتہ کی خاطر داری کے ساتھ اپنے پاؤں میں مزاج کی بیڑیوں کا بھی احساس تھا۔ذیل میں وہ دبے دبے انداز میں تفتہ کی درخواست کو منظور کرنے سے گریزاں دکھائی دیتے ہیں۔وہ تفتہ کے نام خط میں ان کی فرمائش کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ''دیباچہ و تقریظ لکھنا ایسا آسان نہیں ہے کہ جیسا تم کو دیوان کا لکھ لینا۔کیوں روپیہ خراب کرتے ہو اور کیوں چھپواتے ہو؟ اگر یوں ہی جی چاہتا ہے ابھی کہے جاؤ آگے چل کر دیکھ لینا۔اب یہ دیوان چھپوا کر دوسرے دیوان کی فکر میں پڑو گے۔تم تو دو چار برس میں ایک اور دیوان کہہ لو گے میں کہاں تک دیباچہ لکھا کروں گا۔''(۵)

تفتہ نے غالب کے مشورے کے برعکس دیوان مرتب کیا اور مرزا کو دیوان کی تقریظ لکھنی پڑ گئی۔تقریظ تو لکھ دی لیکن جو کچھ انھوں نے لکھا تفتہ اس پر شکایت کناں ہوئے۔انھیں جس ستائش کی تمنا تھی وہ مدح سرائی دکھائی نہیں دی۔ان کی شکایت غالب تک پہنچی تو تفتہ کو ایک خط میں تسلی دی اور اپنے مزاج اور روش کی رکاوٹوں کا ذکر کیا۔غالب لکھتے ہیں:

> ''واللہ باللہ کسی شہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اتنی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمھاری مدح کی ہے۔ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔قصہ مختصر تمھاری خاطر ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اس کے عوض ایک اور لکھ دیا ہے۔اسے زیادہ بھئی میری روش نہیں۔''(۶)

غالب نے تقریظ نگاری میں ستائش کے روایتی انداز کی بجائے، انصاف پسندی کو اپنایا۔ان کو کوشش ہوتی کہ تخلیق یا تصنیف کی ستائش ضرور کی جائے لیکن راست گوئی پر کوئی آنچ نہ آئے۔وہ اپنی تقریظ کو مختلف حصوں میں منقسم کرتے تھے۔کچھ حصہ تمہید میں، کچھ حصہ مصنف کی ذات اور تعلقات کے بیان میں صرف کر دیتے تھے۔کچھ جملے کتاب کے بارے میں بھی درج کر دیتے تھے جو کہ بے محل نہ ہوتے تھے اور راستی کے عین مطابق ہوتے تھے۔مولانا حالی لکھتے ہیں:

> ''تقریظ نگاری کا انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہ ہو اور صاحب کتاب خوش بھی ہو جائے۔بہت سا حصہ تمہید میں، یا مصنف کی ذات اور اس کے اخلاق، یا اس کی محبت اور دوستی کے بیان میں، یا اور لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں جو بے محل نہ ہوں، ختم ہو جاتا تھا۔اخیر میں کتاب سے متعلق چند جملے جو اصلیت سے خالی نہ ہوتے تھے اور مصنف کے خوش کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے، لکھ دیتے تھے۔''(۷)

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مرزا کی تقریظ میں بہت بڑا حصہ تمہید اور تصنیف کے اغراض ومقاصد کے گرد گھومتا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے بارے میں جب یہ مشہور ہوا کہ انھوں نے مذہب اہل تسنن چھوڑ کر اہل تشیع اختیار کر لیا ہے۔ اس افواہ کے رد میں بادشاہ اور ان کے مصاحبوں کے مشورے سے ایک کتاب منصۂ شہود پر لانے کا فیصلہ ہوا۔ بالآخر یہ کتاب اپنے تکمیلی مراحل طے کر گئی۔ تقریظ لکھوانے کا سلسلہ شروع ہوا تو مرزا کو بھی زحمت دی گئی۔ غالب صلح کل تھے، لیکن بہادر شاہ کے حکم کو ٹالنا بھی ممکن نہیں تھا۔ انھوں نے تقریظ کا بہت سا حصہ کتاب کی منشائے تخلیق پر زیب قرطاس کیا۔ زیرِ نظر تقریظ کا جائزہ لیں تو زیادہ تر حصہ بادشاہ کی القاب بندی اور کتاب کے تخلیقی سبب کے گرد گھومتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جیسا کہ حکم بجالانا ضرور، ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشا اس رسالہ نگارش کا کیا ہے۔ ان اوراق کے ناظرین پر مخفی ومستور نہ رہے سن اٹھارہ جلوس میمنت مانوس میں، نہ شہر سے بلکہ خارج سے، یہ آوازہ بلند ہوا کہ حضرت قدر قدرت، فلک رفعت، ثریا بارگاہ، انجم سپاہ، بادشاہ ابن بادشاہ، خلیفہ روئے زمین، ابوسراج الدین بہادر شاہ، بادشاہ غازی نے ترک مذہب آبائے نام دار کیا اور تشیع تسنن پر اختیار کیا۔''(۸)

دل چسپ امر یہ ہے کہ مرزا غالب نے کتاب کی وجہ تخلیق کے ساتھ وجہ تقریظ نویسی بھی قارئین پر واضح کر دی۔ مرزا نے بین السطور واضح کر دیا کہ تقریظ لکھنے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ بادشاہ وقت جوان کی بہت سی امیدوں کا مرکز ومحور تھے، ان کو کیوں کر انکار کر سکتے تھے۔ تحریر میں حالات کی نزاکت، غالب کی بے کسی اور بے بسی کی تصویر بھی دکھائی دے رہی ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''میں اگر اس گزارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو وضع تحریر کا موضوع لۂ مجہول رہ جاتا۔ بحث ونزاع کا رسم وآئین اور ہے، شیوۂ سخن دانان معنی آفرین اور ہے۔ نہ سفیہ ہوں کہ ہجو میں سخن سرائی کروں، نہ فقیہ ہوں کہ بحث میں زور آزمائی کروں۔ غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں، فلک زادۂ خانماں بہ باد دادہ ہوں، تاب آفتاب حوادث سے ظل اللہ کے سایہ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں، گویا ایک تھکا ہوا مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں۔''(۹)

واضح ہو چکا کہ ان کی تقریظ کا زیادہ حصہ کتاب کی بجائے صاحب کتاب کے احوال کے متعلق ہوتا تھا۔ کتاب کیوں لکھی اور صاحب کتاب اور مرزا کے درمیان انس ومحبت کا کون سا رشتہ ہے؟ ان باتوں میں صفحہ کو رنگین کرتے تھے۔ لیکن جو تحریر کتاب سے وابستہ ہوتی وہ بھی لفظوں کی جادوگری ہوتی، صاحب کتاب کے دل کو بھی موہ لیتی اور مرزا کی راست بازی کا دامن بھی داغ دار ہونے سے بچ جاتا۔

مرزا رجب علی بیگ سرور نے مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ کی فرمایش پر ''حدائق العشاق'' کا اردو ترجمہ ''گلزار سرور'' کے نام سے کیا۔ سرور نے ترجمہ مکمل کرنے کے بعد کتاب مرزا غالب کو بھجوائی اور تقریظ لکھنے کی درخواست کی۔ مرزا غالب نے اس کی تقریظ لکھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اے صاحبان فہم وادراک! سرور سحر بیان کا اردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام

شاہدِ معنیٰ کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے۔
رزم کی داستان گر سنیے
ہے زبان ایک تیغ جوہر دار
بزم کا اِلتزام گر کیجیے
ہے قلم ایک ابر گوہر بار
مجھ کو دعویٰ تھا کہ انداز بیان اور شوخی تحریر میں 'فسانہ عجائب' بے نظیر ہے، جس نے میرے دعوے کو اور 'فسانہ عجائب' کی یکتائی کو مٹایا، یہ وہ تحریر ہے۔'' (۱۰)

درج بالا تقریظ کا تنقیدی نگاہ ڈالی جائے تو غالب نے اس تقریظ میں رجب علی بیگ سرور کو خود انھیں کے مقابل کر دیا۔ ان کے اس نثری کارنامے کو ان کے خود انھی کے ایک نثری شاہکار سے برتری دے دی۔ اس کا تقابل دیگر ادبی تخلیقات سے کرنے کی بجائے سرور بمقابلہ سرور کھڑا کیا۔ دونوں انھی کی اپنی کاوشیں ہیں، ایک ہی قلم سے نکلی ہوئی تحریریں ہیں، کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون سی کتاب پہلے نمبر پر آ رہی ہے اور کون سی دوسری پوزیشن پر متمکن ہے۔ لیکن تحریر اتنی دل پذیر ہے کہ صاحب کتاب کا دل شاد ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہاں مرزا نے دورانِ تقریظ کسی اور ادیب یا مترجم کے لیے خطرے کی کوئی گھنٹی نہیں بجائی۔

سرسید نے جب ابوالفضل کی تصنیف ''آئین اکبری'' کی تصحیح کی تو اس پر دلی کے مشاہیر نے تقریظیں لکھیں۔ سرسید کی خواہش تھی کہ مرزا غالب بھی اس پر خامہ فرسائی کریں۔ دونوں کے مابین نہایت احترام و یگانگت کا رشتہ تھا۔ مرزا کو ابوالفضل کے اسلوب نگارش اور مندرجات سے اختلاف تھا۔ غالب نے اس کاوش کو بے سود قرار دیا۔

مرزا غالب نے ''آئین اکبری'' کی تقریظ کے لیے جو مثنوی لکھی اس میں لکھتے ہیں:

من کہ آئین ریا را دشمنم
دروفا اندازہ دان خود منم
(میں ریاکاری کا دشمن ہوں اور خود ہی اپنی وفاداری کا اندازہ رکھتا ہوں۔)
گر بدیں کارش نگویم آفریں
جای آن دارد کہ جویم آفریں
(اگر میں (سرسید احمد خاں کے) اس کام کی تعریف نہ کروں تو مجھے داد ملنی چاہیے۔)
بابد آئینان نمانم در سخن
کس نداند آنچہ دانم در سخن
(میں فن سخن میں بے راہ لوگوں کی مانند نہیں ہوں۔ جو بات میں اس فن کے بارے میں جانتا ہوں وہ کوئی نہیں جانتا۔)
کس مخر باشد بگیتی ایں متاع
خواجہ راچہ بود امید انتفاع

(دنیا میں کوئی اس مال کا خریدار نہ ہوگا۔معلوم نہیں حضرت (سرسید) کو اس میں نفع کی ایسی کون سی امید تھی؟)''(۱۱)

دیگر تقریظ نگاروں نے سرسید کی مساعی قابل ستائش قرار دی اور اس کتاب سے صرف نظر کرنے کو بخل قرار دیا۔ان کی تقریظوں کے برعکس غالب کے بقول اس کی تعریف نہ کرنا قابل داد ہے۔یقیناً روایتی تقریظ نویسوں کی مدح سرائی کے مقابلے میں غالب کے تنقیدی اشعار سرسید کے لیے ناقابل برداشت تھے۔سرسید نے اسے کتاب میں شامل نہیں کیا اور یوں غالب اور سرسید میں شکر رنجی پیدا ہوگئی جو عرصہ دراز تک دونوں کے تعلقات میں حائل رہی۔سرسید کے نزدیک مفید کام غالب کے لیے بے وقعت تھا۔مولانا حالی لکھتے ہیں:

''چونکہ اس تقریظ میں آئین اکبری کی تنقیص کی گئی تھی اور سرسید نے جو ایک مفید کام کیا تھا، اس کی کچھ داد نہیں دی گئی تھی، بلکہ اسے غیر مفید ظاہر کیا گیا تھا۔اس لیے انھوں نے آئین اکبری کے آخر میں مرزا کی تقریظ کو نہیں چھپوایا۔''(۱۲)

سرسید کے اثر ورسوخ اور شخصی قد کاٹھ کے باوجود مرزا کا ان کی کاوش کی تنقیص کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ غالب شخصیت پرستی سے بھی آزاد تھے۔ بلند ناموں اور عہدوں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔اگر سرسید سے غالب کو کوئی چشمک ہوتی تو وہ ''آثارالصنادید'' کی تقریظ میں بھی اسی رویے کا مظاہرہ کر سکتے تھے،لیکن وہاں انھوں نے ایسا نہیں کیا۔اگر چہ یہ تقریظ سرسید اور ابوالفضل جیسی قد آور شخصیات سے متعلق تھی،مرزا روایتی شخصیت پسندوں کی مانند رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کر سکتے تھے لیکن مرزا نے ان کے شخصی قد کاٹھ کو بالکل بالائے طاق رکھا۔غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''وہ شخصیت پرست نہ تھے۔ بلند ناموں سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔بلکہ ہر شے کی افادی حیثیت کا مستقلاً اندازہ کرتے تھے اور اندازہ کے بعد اس کی اچھائی برائی کا حکم لگاتے تھے۔ سرسید خاندان کے ساتھ ان کے تعلقات بہت گہرے تھے۔بلکہ رشتہ داری بھی تھی۔لیکن ان تعلقات کی بنا پر انھوں نے اپنے دل کی بات صاف صاف اور بلا تکلف کہنے میں تامل نہیں کیا۔''(۱۳)

بعض تقریظوں میں صاحب کتاب کے مقابلے میں کتاب کے حصے میں جو الفاظ آئے وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ اور آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔میر فخرالدین حسین خاں سخن دہلوی جو کہ مرزا غالب ہی کے فیض یافتہ تھے۔انھوں نے اپنا دیوان ''سروش سخن'' غالب کے ہاں دیباچہ لکھوانے کے لیے بھیجا۔غالب نے اس پر تقریباً اٹھارہ انیس سطور ان کی خواہش پر لکھیں۔مذکورہ تحریر کا بیشتر حصہ صاحب دیوان کی شخصیت اور مستقل سے وابستہ توقعات کے گرد گھومتا ہے۔دیوان کے مندرجات پر محض یہی کچھ لکھنے پر اکتفا کیا:

''اس سحر کار جادو نگار نے پری زادان معنی کو الفاظ کے شیشوں میں اس طرح اتارا ہے جیسے آبگینۂ مے سے رنگ مے نظر آئے۔لفظ سے جلوۂ معنی آشکار رہے۔''(۱۴)

حاتم کی مثنوی کی تقریظ پر مرزا نے دو صفحات رنگین کیے۔تقریباً آدھے سے زیادہ صفحہ انھوں نے حمد باری تعالیٰ میں عبارت کیا کہ جس نے انسان کو زبان سے نوازا۔آدھے سے زیادہ صفحہ حضرت علی المرتضیٰ کی فضیلت اور حاتم علی مہر کے نام

کے معانی کے بیان میں رنگین کیا۔ بقیہ حصے میں باہمی تعلقات کے بیان اور مثنوی پر ایسی رائے میں صرف کیا جو کہ خلاف انصاف بھی نہیں، بلکہ محض لفظوں کا گورکھ دھندا ہے۔ مرزا رقم طراز ہیں:

> ''یہ مثنوی کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے۔ اگر چہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک نہر ہے کہ بحرِ سخن سے ادھر بھی ہے۔ سخن ایک معشوقہ پری ہے۔ تقطیع شعر اس کا لباس اور مضامین اس کا زیور ہے۔ دیدہ وروں نے شاہدِ سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکش ماہ تمام پایا ہے۔ اسی رو سے اس مثنوی نے شعاع مہر نام پایا ہے۔''(۱۵)

مرزا غالب نے نظم و نثر میں اپنی انفرادیت برقرار رکھی۔ شعر و ادب ہو یا مکتوبات نویسی غالب نے قدیم شاہراہ سے مکمل بغاوت نہیں بھی کی تو اس راہ سے ہٹے ضرور ہیں۔ شاعری تو مرزا کا اوڑھنا بچھونا تھی، خطوط نگاری کو بھی عمر بھر سینے سے لگائے رکھا۔ تقریظ نگاری یا دیباچہ نگاری کے کوچے میں قدم رکھنے سے قدرے گھبراتے تھے۔ کبھی تقریظ نویسی کے کمبل کی گرفت میں آ بھی گئے تو روئے سخن مصنف کی ذات اور تعلقات ہوتا۔ کتاب کے اغراض و مقاصد سے صفحات کا پیٹ بھر لیتے۔ البتہ کتاب کے لبوں تک پہنچتے پہنچتے جامِ تحریر تقریباً خالی ہو چکا ہوتا۔ لفظوں کا جادو جگاتے کہ صاحبِ تحریر کو مسحور کر لیتے۔ بعض اوقات مرزا کی انصاف پسندی نے تعلقات کے تناور درخت کو جڑوں سے اکھیڑ دیا۔

حوالہ جات

۱۔ فیروز الدین، مولوی، مؤلف: فیروز اللغات اردو، دہلی: آصف بک ڈپو، ۲۰۰۸ء، ص:۳۶۹
۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص:۴۲۷
۳۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، اشرف اللغات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۲۲۶
۴۔ حالی، الطاف حسین، یادگار غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۶ء، ص:۸۶
۵۔ محمد ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، تفتہ اور غالب، نئی دہلی: غالب اکیڈمی، ۱۹۸۴ء، ص:۸۰
۶۔ غلام رسول مہر، غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص:۲۷۸
۷۔ حالی، الطاف حسین، یادگار غالب، ص:۸۳
۸۔ خلیل الرحمٰن داؤدی، مجموعہ نثر غالب (اردو)، لاہور: مجلس ترقی ادب، س ن، ص:۲۵۰
۹۔ ایضاً، ص:۲۵۲
۱۰۔ ایضاً، ص:۲۵۷
۱۱۔ ظفر انصاری، مرتب: مثنویات غالب، دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۳ء، ص:۱۲۹
۱۲۔ حالی، الطاف حسین، یادگار غالب، ص:۸۴
۱۳۔ غلام رسول مہر، غالب، ص:۲۸۰
۱۴۔ خلیل الرحمٰن داؤدی، مجموعہ نثر غالب اردو، ص:۲۸۱
۱۵۔ غالب، اسد اللہ خاں، مرزا، عود ہندی، الہ آباد: کریمی پریس، ۱۹۷۲ء، ص:۳۶۲

☆......☆......☆